# دیہات میں نمازِ جمعہ سے متعلق

# چند غلط فہمیاں

تحریر


مفتی عبیدالرحمان صاحب

رئیس دارالافتاء والارشاد، مردان



مکتبہ دارالتقویٰ، مردان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# دیہات میں نماز جمعہ سے متعلق چند غلط فہمیاں

## باعثِ تحریر

فقہائے حنفیہ کے نزدیک دیہات اور چھوٹے گاؤں میں نماز جمعہ پڑھنا جائز نہیں ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ اس وقت ہماری آبادی باوجودیکہ حنفی ہیں اور یہاں کے لوگ حنفیت ہی کا التزام کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود بلا مبالغہ ہزاروں ایسی جگہیں ہیں جہاں فقہ حنفی کے مطابق نمازِ جمعہ پڑھنا جائز نہیں ہوتا لیکن حنفیت کے ساتھ وابستہ افراد نہ صرف اس کا اہتمام کرتے ہیں بلکہ اپنی بات پر سختی کے ساتھ کاربند بھی ہوتے ہیں۔ اس سے امت کے اجتماعی گناہوں میں بے بہا اضافہ ہو جاتا ہے، اس پس منظر میں یہ چند سطور لکھنے کا داعیہ پیدا ہوا۔

## فقہائے احناف کا موقف اور اس کی بنیاد

فقہائے حنفیہ کے نزدیک نماز جمعہ صرف اسی جگہ پڑھی جاسکتی ہے جو شہر یا بڑا گاؤں ہو، چھوٹے گاؤں میں نماز جمعہ پڑھنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

عام طور پر سمجھایہ جاتاہے کہ حنفیہ کا یہ موقف کچھ زیادہ قوی یا مدلل نہیں ہے، اس لئے بہت سے حنفیہ بھی اس کو معذرت خواہانہ انداز میں ذکر کرتے ہیں حالانکہ مجتہد کے دلائل کا جانچ پڑتال ایک مقلد کی شان سے اوپر کی چیز ہے، مگر اس کے باوجود فقہائے حنفیہ کے استدلالات کو دیکھا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ

ان کا یہ موقف کمزور نہیں بلکہ مضبوط اور بہت مضبوط ہے، بعض اہم دلائل درج ذیل ہیں:

۱: نمازِ جمعہ کی فرضیت کا حکم مکہ مکرمہ میں نازل ہوا، آپ ﷺ کے حکم سے مدینہ منورہ میں جمعہ کا اہتمام بھی کیا جاتا رہا، اس کے باوجود آپ ﷺ قباء تشریف لاتے ہیں اور وہاں کم از کم چودہ دن اقامت فرماتے ہیں مگر جمعہ کی نماز قائم نہیں فرماتے، اس دوران کم از کم دو مرتبہ نمازِ جمعہ کا وقت آیا مگر آپ ﷺ نے نہ خود اس کا اہتمام فرمایا اور نہ ہی اہلِ قباء کو اس کا حکم دیا۔

۲: مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد سے لے کر آخر مدینہ منورہ کے ارد گرد دیہاتی علاقوں (عوالی مدینہ) میں جمعہ کا اہتمام نہیں ہوا، بلکہ وہاں سے لوگ باری باری ایک ایک جمعہ کے لئے مسجد نبوی شریف حاضر ہو جایا کرتے تھے، اب اگر جمعہ ہر بستی اور دیہات میں ضروری ہے تو وہاں کے سارے لوگ جمعہ جیسا اہم فریضہ کیونکر چھوڑ سکتے ہیں؟ جبکہ وہ حضور ﷺ کے قریب تر بھی تھے اور موقع بموقع حاضر بھی ہوتے تھے جس کے بعد غالب گمان یہی ہے کہ یہ سارا کچھ حضور ﷺ کے علم میں تھا۔

۳: حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اس باب میں بالکل واضح ہے،

"مصنف" میں ہے:

– عَنِ الثَّوْرِيِّ، عَنْ زُبَيْدٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الـرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ، عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: «لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ»[1]

ترجمہ:"حضرت ابوعبدالرحمان سلمی رحمہ اللہ کے واسطے سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کاارشاد گرامی منقول ہے کہ: نماز جمعہ، تکبیرات تشریق صرف بڑے شہر میں پڑھنادرست ہے"۔

یہ روایت یوں تو حضرت علی کرّم اللہ وجہہ پر موقوف ہے لیکن چونکہ یہ بات اجتہادی نہیں ہے اس لئے ایسی موقوف روایت بھی مرفوع روایت کے ساتھ ملحق ہو جاتی ہے۔

## بے جاجمعہ پڑھنے کے مفاسد

جہاں جمعہ پڑھنا جائز نہیں ہوتا، اوراس کے باوجود کچھ لوگ جمعہ پڑھنے لگ جائیں، اس میں درج ذیل مفاسد پائے جاتے ہیں:

۱: ظہر کی نماز فرض عین ہے، یہ فرض ان تمام افراد کے ذمے باقی رہ جاتا ہے جو بے جانمازِ جمعہ پڑھنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

۲: نمازِ جمعہ کے عنوان سے وہ جو دو رکعت پڑھتے ہیں ،اس کی شرعی حیثیت توفرض نماز کی ہے نہیں، لامحالہ وہ نفل نماز ہی شمار ہو گی ، جبکہ نوافل کو جماعت کے ساتھ پڑھناشرعاًمذموم وممنوع ہے۔

---

[1] مصنف عبدالرزاق،کِتَابُ الْجُمُعَةِ ،بَابُ الْقُرَى الصِّغَارِ،رقم الحديث: ٥١٧٧،ج٣،ص١٦٨.

۳: جمعہ کے نام دینے کی وجہ سے ضرور جہر کے ساتھ تلاوت کریں گے جبکہ دن کے نوافل میں جہر کے ساتھ تلاوت کرنا ممنوع و مکروہ ہے۔

۴: نفل کے لیے تداعی، خطبہ دینا اوراذان دینا درست نہیں۔

۵: مقلد کے لئے اپنے اس مذہب سے نکلنا جائز نہیں ہے جس کو حق کے زیادہ قریب سمجھ کر اختیار کر رکھا ہو، اب جب کوئی شخص حنفیت کو اختیار کیا ہوا ہے تو وہ کیونکر اس مسئلہ میں یا کسی بھی مسئلہ میں بے ضابطہ مذہب کی تعلیمات سے نکل سکتا ہے!

## بے جا جمعہ پڑھنے کے بارے میں پانچ بنیادی غلط فہمیاں

جو لوگ چھوٹے چھوٹے دیہات میں جمعہ کی نماز قائم کرتے ہیں، ان میں سے بعض لوگ تو ایسے ہیں جو دین کے احکام و تعلیمات سے زیادہ واقف نہیں ہوتے، ان کو یہ مسئلہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ دیہات میں نمازِ جمعہ نہیں ہوتا، اس لئے وہ دیگر علاقوں کی دیکھا دیکھی نماز جمعہ کا اہتمام شروع کر لیتے ہیں، ان لوگوں کے بارے میں تو مناسب اور معقول بات یہی ہے کہ ان کو اچھی طرح مسئلہ سمجھا دیا جائے، اگر ضد اور تعصب جیسے عناصر نہ ہوں تو آسانی کے ساتھ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ جو لوگ کچھ نہ کچھ دینی شعور رکھتے ہیں، اور جانتے ہیں کہ دیہات میں جمعہ نہیں ہوتا، مگر اس کے باوجود وہ خود پڑھتے ہیں یا اس کی حمایت کرتے ہیں، وہ عام طور پر کچھ غلط فہمیوں کی بنیاد پر ایسا کرتے ہیں، ذیل میں کچھ اہم غلط فہمیاں ذکر کی جاتی ہیں اور ساتھ کی اس غلطی بھی واضح کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

## پہلی غلط فہمی: دیگر مذاہب میں تو جائز ہے

بہت سے لوگوں کو جب یہ بتایا جاتا ہے کہ دیہات میں نماز جمعہ نہیں ہوتا، آپ نہ پڑھے تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ: "ٹھیک ہے کہ حنفیہ کے ہاں نہیں ہوتا، لیکن دیگر مذاہب میں تو ہوتا ہے ناں"۔ اس بنیاد پر کچھ لوگ نئی جگہ جمعہ شروع کرنے لگتے ہیں اور کچھ پہلے سے جاری جمعہ کو برقرار رکھتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ استدلال ہی تام نہیں ہے، اس کے ساتھ کوئی دوسرا جملہ لگائیں گے تبھی جاکر یہ بات مکمل ہو جائے گی اور استدلال تام ہو جائے گا، جو لوگ ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں ان کے مناسب حال یہی جملہ یہاں محذوف نکال سکتے ہیں کہ "اور جو چیز دیگر مذاہب میں جائز ہو، اس کی گنجائش ہوتی ہے"۔ اس کے بغیر استدلال پورا نہیں ہوتا اور اس جملہ کو ساتھ ملالیں تو بہت بڑی خرابی لازم آجائے گی، وہ خرابی یہ ہے کہ: سینکڑوں ایسے مسائل ہیں جن میں حنفیہ اور دیگر مذاہب کے درمیان اختلاف ہوتا ہے، اس ایک ضابطہ سے ان تمام مسائل میں گنجائش کا راستہ کھل جائے گا۔ تقلید شخصی کے التزام کی بنیاد ہی منہدم ہو جائے گی۔ اس لئے اس بنیاد پر بے جا جمعہ پڑھنے کی اجازت دینا یا اس کی حمایت کرنا سخت غلط اور بہت خطرناک ہے۔

زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا تھا کہ دیگر مذاہب کی رعایت رکھنا مطلوب و مستحسن ہے، لیکن زیر بحث مسئلہ میں اس کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ اس مستحسن پر عمل کرنے سے اپنے مذہب کے مطابق متعدد ناجائز امور کا ارتکاب کرنا

لازم آجاتا ہے جس کی تفصیل "بے جا جمعہ پڑھنے کے مفاسد" کے تحت ذکر کئے گئے ہیں۔

## دوسری غلط فہمی: جہاں شروع ہو، وہاں رہنے دیا جائے

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دیہات میں نماز جمعہ شروع کرنا تو درست نہیں ہے لیکن اگر کہیں پہلے سے جمعہ شروع ہو تو اس کو ختم کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ درست ہی نہیں ہے، وہاں شرعی حکم یہی ہے کہ جمعہ پڑھا جائے۔

یہ بھی بالکل غلط ہے، اس کی فقہی تکییف کے طور پر یہی کہا جا سکتا ہے کہ جمعہ پڑھنا کوئی "امرِ آنی" (وقتی کام) تو ہے نہیں جو ایک ہی مرتبہ کرنے سے تمام ہو جاتا ہو، بلکہ ہر یومِ جمعہ کو الگ سے اس کا اہتمام کرنا پڑھتا ہے، اب جب ایک جگہ میں نمازِ جمعہ درست نہ ہو تو ظاہر ہے کہ وہاں ظہر کی نماز پڑھنا فرض عین ہے، ایسی جگہ نماز ظہر کی بجائے جمعہ پڑھنے میں متعدد شرعی مفاسد ہیں جن کی تفصیل اوپر درج کی گئی ہے، اب محض پہلے سے جاری ہونے کی وجہ سے اگر اس کی اجازت دی جاتی ہے تو اس کا حاصل یہی ہو گا کہ شرعی مفاسد اور گناہوں کی اجازت دی گئی، جس کا غلط ہونا اس قدر واضح ہے جس کو بیان کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

## مفاسد کے خوف سے جمعہ جاری رکھنا

اسی بات کو بسا اوقات ایک دوسرے رنگ میں بھی پیش کیا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ ایسی جگہ جمعہ چھوڑنے کی وجہ سے جنگ و جھگڑے کا اندیشہ ہے، اس لئے اس سے بچنے کے لئے نمازِ جمعہ پڑھنا ہی مناسب ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ:

الف: ایسا ہر جگہ اور ہر وقت نہیں ہوتا، غلطی یہ ہے کہ ایک آدھ جگہ ایسا ہو جاتا ہے اور اس سے پورا ضابطہ نکال کر ہر جگہ جاری کر دیا جاتا ہے۔

ب: یہ لوگوں کی دینی تربیت نہ کرنے کا نتیجہ ہے، لہٰذا کرنے کا کام یہ نہیں ہے کہ ان کی ان نفسیات کو بڑھانے کا ذریعہ بنا جائے بلکہ اصل کام یہ ہے کہ ان کی دینی تربیت پر توجہ دی جائے تاکہ وہ شرعی حکم کے سامنے اپنے جذبات، جاہ ومال کے نفسیات کو قربان کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔

ج: اگر اس طرح بات بات میں لوگوں کے اس قسم کے جذبات کی رعایت رکھی جائے تو بہت سے دینی احکام اور مسلّم تعلیمات سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

د: اس باب میں مناسب بات وہی ہے جو حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ نے تحریر فرمائی ہے، وہ اس نوعیت کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ج...جو صورت جناب نے تحریر فرمائی ہے حنفی مذہب کے مطابق اس میں جمعہ جائز نہیں، ''مصر جامع'' کی تعریف میں حضرات فقہاء کے الفاظ مختلف ضرور ہیں، لیکن کوئی تعریف میری نظر سے ایسی نہیں گزری جس کی رُو سے بیس مکانات کی بستی میں ''مصر جامع'' کے لقب سے سر فراز ہو سکے۔

رہا یہ کہ لوگوں کے فتنہ وفساد میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے یہ کوئی عذر نہیں، کیا شریعت کو لوگوں کی خواہشات کے تابع کیا جائے گا؟ کہ اگر مسئلہ ان کی خواہش کے مطابق ہے تو ٹھیک ورنہ وہ اسلام ہی کو جواب دے جائیں گے؟ ہاں! ان مولوی صاحب سے برگشتہ ہونا ضروری ہے لیکن اگر مولوی صاحب بھی یہ اعلان کر دیں کہ مجھ سے حماقت ہوئی کہ میں

نے محض خود رائی سے جمعہ شروع کرادیا تو اُمید ہے کہ لوگ ان کو بھی معاف کر دیں گے، اور اگر شرعی مسئلہ کے علی الرغم لوگ جمعہ پڑھتے رہے تو سب کے ذمہ ظہر کی نماز باقی رہے گی، جس کا وبال نہ صرف جمعہ پڑھنے والوں کی گردن پر ہوگا، بلکہ سب کی نماز ہی غارت ہونے کا وبال جمعہ پڑھانے والے مولوی صاحب پر بھی ہوگا۔ اوّل تو شاہ صاحب کا مطلب آپ سمجھے نہیں، علاوہ ازیں شاہ صاحب کسی فقہی مذہب کے امام نہیں کہ ان کی تقلید کی جائے۔[1]

زیر بحث موضوع سے متعلق ایک دوسرے سوال کے جواب میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

"یہ جو کہا جاتا ہے کہ جہاں جمعہ شروع ہو وہاں بند نہ کیا جائے، اس کا مطلب یہ ہے کہ مسئلہ سمجھا دیا جائے، اس کے باوجود کوئی نہیں مانتا تو وہ اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے، مگر خود جمعہ پڑھنا کسی حال میں دُرست نہیں۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ اس سے انتشار ہوگا، یہ ایک درجے میں صحیح ہے، کہ لوگوں پر جہل غالب ہے، مگر یہ بھی اس امر کے لئے کافی عذر نہیں کہ اس بدعت کا خود ارتکاب کیا جائے۔ راقم الحروف اپنے گاؤں میں طالبِ علمی کے زمانے میں خود جمعہ پڑھاتا تھا، لیکن جب مسئلے کا علم ہوا تو جمعہ بند کر دینے کا اعلان کر دیا، الحمدللہ! نہ کوئی مرتد ہوا، نہ کسی نے نماز چھوڑی، البتہ ایسے بے دین لوگ جن کو نماز اور مسجد سے کوئی واسطہ نہیں، اب بھی نکتہ چینی کرتے ہیں، سو ایسے لوگوں کی نکتہ چینیوں سے گھبرا کر شرعی مسائل کو اگر بدل دیا جائے تو دینِ اسلام کی شکل ہی مسخ ہو جائے گی۔"[2]

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج ۱۰، ص ۳۳.
[2] آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج ۲ ص ۹۴۹۔

## تیسری غلط فہمی: آبادی کے مخصوص افراد پر مدارِ حکم رکھنا

علم و تدریس اور فتوی کے کام سے وابستہ حضرات کے حلقہ میں ایک غلطی یہ کی جاتی ہے کہ مخصوص تعداد پر حکم کا مدار رکھتے ہیں (اور عموما دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ یہ تعداد بھی رفتہ رفتہ کم ہو رہی ہے)، کہیں چار ہزار افراد کو معیار ٹھہرایا جاتا ہے، کہیں تین ہزار، کہیں دو ہزار جبکہ بعض حضرات اس سے بھی کم تعداد کو بنیاد بنا کر جمعہ جائز قرار دیتے ہیں۔

اس کے غلط فہمی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اصل مدار لوگوں کی تعداد پر نہیں ہے تاکہ ہر ہر شخص کی مردم شماری کرکے حکم متعین کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہاں ضروریات زندگی فراہم ہوتے ہوں، کیونکہ اصل مدار "مصر" ہونے پر ہے اور کسی جگہ کے "مصر" ہونے میں صرف وہاں کے لوگوں کا کم زیادہ ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ متعدد دکانوں اور مساجد کا ہونا اور عام ضروریاتِ زندگی کا مہیا ہونا بھی ضروری ہے۔

## چوتھی غلط فہمی: قرب وجوار شہروں کے ساتھ مسافت کا لحاظ رکھنا

بہت سے دیہاتوں میں اس بنیاد پر بھی جمعہ کی نماز پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے کہ وہ کسی بڑے گاؤں، قصبہ یا شہر کے ساتھ قریب ہے، اس ناکارہ راقم الحروف کو بھی ایسے حضرات سے واسطہ پیش آیا ہے، چنانچہ ایک جگہ بہت محدود آبادی تھی، دکان بھی کوئی نہیں تھا، لیکن اس کے قرب میں ایک دوسرا گاؤں تھا جو بہت بڑا تھا اور فقہی نقطہ نظر سے وہاں جمعہ بلا شبہ درست تھا، تو بعض لوگ اس قرب

واتصال کی وجہ سے اس چھوٹے سے دیہات میں بھی جمعہ کی اجازت دے رہے تھے۔

یہ بھی بالکل غلط ہے، جب کوئی جگہ مستقل دیہات کی حیثیت رکھتی ہے اور وہاں شرائط کے مطابق جمعہ درست نہ ہو، تو محض کسی جگہ کے ساتھ قریب ہونے کی بنیاد پر بھی وہاں جمعہ کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

## "میرہ" کی فقہی حیثیت

ہمارے یہاں صوبہ سرحد (خیبر پختون خواہ) کے بہت سے علاقوں میں ہوتا یہ ہے کہ ایک جگہ بڑا قصبہ آباد ہوتا ہے، اس سے باہر ایک دوسری جگہ ہوتی ہے جو پہلے جگہ کا "میرہ" کہلاتی ہے، کہاجاتا ہے کہ انگریز کے زمانے میں جب زمینوں کی پیمائش وغیرہ کا کام ہورہا تھا تو جس جگہ آبادی ہوتی، وہاں کا نام جوں کا توں برقرار کھاجاتا تھا، آبادی سے باہر جو جگہ صحرا، بیاباں یا جنگل نما ہوتی تو اگر اہلِ علاقہ کے ہاں اس جگہ کے لئے کوئی نام مشہور ہوتا تھا تو اسی نام سے اس جگہ کا اندراج ہوتا، ورنہ اس کو قریب گاؤں / قصبہ کا "میرہ" قرار دیاجاتا تھا اور اس عنوان سے اس کا اندراج ہوتا تھا۔

بہر حال، حقیقتِ حال خواہ کچھ بھی ہو، لیکن ہمارے ہاں بڑے گاؤں سے باہر کچھ علاقے اس گاؤں کا "میرہ" کہلاتے ہیں، کچھ زمانے پہلے تک وہ بالکل غیر آباد تھے لیکن اب کچھ عرصے سے اس میں آبادی بڑھ رہی ہے، اب غلطی یہ کی جاتی ہے کہ جب کوئی جگہ دوسرے بڑے گاؤں کا "میرہ" کہلائے تو کچھ لوگ وہاں

جمعہ پڑھنے کو جائز کہتے ہیں حالانکہ بہت سی مرتبہ وہ میرہ متعلقہ گاؤں کا حصہ شمار نہیں ہوتا۔

مثال کے طور پر ہمارے ضلع مردان کا مشہور علاقہ "طورو" ہے، اس کے حدود سے باہر وسیع اراضی تھے جن کو "طورومیرہ" کہاجاتا تھا، اب کچھ عرصے سے وہاں متعدد گاؤں آباد ہوچکے تھے، اب کہنے کو تو ان میں سے ہر ہر گاؤں "طورومیرہ" شمار ہوتا ہے اور "طورو" بذات خود بہت بڑا قصبہ ہے جہاں بلا شبہ نمازِ جمعہ فرض ہے، لیکن ان گاؤوں کی حیثیت "طورو" کے ایک حصہ اور ایک محلے کی نہیں ہے بلکہ عام لوگ ان کو مستقل مستقل گاؤں ہی شمار کرتے اور سمجھتے ہیں، لہٰذا جب ایسے گاؤں میں بذات خود جمعہ کی شرائط موجود نہ ہوں تو محض کسی بڑے قصبے کی طرف نسبت کرنے کی وجہ سے وہاں جمعہ کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

## کیا "میرہ" فنائے مصر ہے؟

یاد رہے کہ ان علاقوں کو فقہی اصطلاح میں "فنائے مصر" قرار دینا بالکل درست نہیں ہے، کیونکہ کسی شہر کا "فناء" وہ جگہ کہلاتی ہے جہاں کے ساتھ اس شہر کی کچھ ضروریات متعلق ہوں کہ وہاں شہر کا قبرستان، جانور چرانے یا لکڑی کاٹنے کی جگہ، گھوڑ سواری کا میدان، عید گاہ وغیرہ ہو، جبکہ پشتو زبان میں جن علاقوں کو "میرہ" کہاجاتا ہے، وہاں عموماً متعلقہ شہر کی ضروریات ان کے ساتھ متعلق نہیں ہوتیں۔

اس کی قدیم تر مثال شاید "عوالی مدینہ" کی ہے، کہ یوں تو وہ مدینہ منورہ کے پڑوس میں آباد تھے اور خود مدینہ منورہ ہی کی جانب ان کی نسبت کی جاتی تھی

لیکن اصطلاحی معنی میں وہ مدینہ منورہ کے "فناء" نہیں تھے، اس لئے وہاں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی تھی۔

علامہ عبدالحی لکھنوی تحریر فرماتے ہیں:

قوله: من أهل العالية، هي القرىٰ المجتمعة حول المدينة النبوية إلىٰ جهة القبلة علىٰ ميل أو ميلين فأكثر من المسجد النبوي، وقال القاضي عياض: العوالي من المدينة علىٰ أربعة أميال، وقيل: ثلاثة، وهذا حد أدناها، وأعلاها ثمانية أميال. انتهىٰ. ويرده أنه قال في منازل بني الحارث الخزرج: إنها بعوالي المدينة، بينه وبين منزل النبي صلىٰ الله عليه وسلم ميل، وذكره ابن حزم أيضا والصحيح عن أدنىٰ العوالي من المدينة علىٰ ميل أو ميلين، وأقصاها عمارة علىٰ ثلاثة أو أربعة أميال، وأقصاها مطلقا ثمانية أميال كما بسطه الشيخ نور الدين علي السمهودي مؤرخ المدينة في "وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفىٰ".[١]

ترجمہ: "اہل عالیہ ان دیہات کا مجموعہ جو مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی کی طرفِ قبلہ میں میل دو میل یا اس سے زیادہ کے فاصلے پر تھے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ: عوالی مدینہ طیبہ سے چار میل دور تھے، بعض کے نزدیک تین میل دور تھے۔ مگر تین میل والی روایت قریبی علاقوں کے بارے میں ہے جب کہ دورآبادی آٹھ میل تک

[١] التعليق الممجد علي موطأ محمد، أبواب الصلاة ،باب صلاة العيدين وأمر الخطبة، ج١، ص،٦٠٩.

تھی۔اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ خزرج قبیلہ بنو حارث کے آبادی میں آباد تھا اور وہ عوالی مدینہ میں تھے اور آپ ﷺ اور اس کے درمیان ایک میل یا دو میل فاصلہ تھا۔ مگر درست بات یہی ہے کہ عوالی میں سے زیادہ قریب ایک یا دو میل کے فاصلے پر جب کہ اور ان کی سب سے دور آبادی تین یا چار میل کے فاصلے پر تھی، جب کہ مطلقاً سب سے دور آخری آبادی آٹھ میل کے فاصلے پر تھی جیسا کہ علامہ سمہودی نے وفاء الوفاء میں نقل کیا ہے"۔

## پانچویں غلط فہمی: بعض فقہی جزئیات

متعدد اہل علم بعض فقہی جزئیات کی بنیاد پر بھی دیہات میں نمازِ جمعہ پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں، وہ جزئیہ "بحر" کی درج ذیل عبارت میں درج ہے:

قال في التجنيس :سئل شمس الأئمة الحلواني أن كسالى العوام يصلون الفجر عند طلوع الشمس أفنزجرهم عن ذلك قال لا؛ لأنهم إذا منعوا عن ذلك تركوها أصلا وأداؤها مع تجويز أهل الحديث لها أولى من تركها أصلا اه۔[1]

ترجمہ:"تجنیس میں ہے کہ: امام حلوانیؒ سے پوچھا گیا کہ سست لوگ فجر کی نماز سورج طلوع ہونے کے وقت پڑھتے ہیں، کیا ہم اسے ڈانٹ سکتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ: نہیں! کیونکہ اگر انہیں ڈانٹا جائے تو وہ سرے سے نماز ہی چھوڑ دیں گے، اور محدثین کے نزدیک جس وقت نماز پڑھنا درست ہو اس وقت نماز پڑھنا نہ پڑھنے سے بہتر ہے"۔

---

[1] البحر الرائق،بَابُ الْعِيدَيْنِ، وَقْتُ صَلَاة الْعِيد،ج٢،ص١٧٢.

لیکن محض اس جزئیہ کی بنیاد پر خلافِ مذہب نمازِ جمعہ پڑھنے پڑھانے کی اجازت دینا سخت قابل اشکال ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ جزئیہ اپنے عموم پر نہیں ہے، ہر اجتہادی مسئلہ میں اگر ہر عامی کے تجاوز کرنے پر نکیر کرنا اگر ممنوع یا ناپسندیدہ ٹھہر جائے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا، کیونکہ عملی زندگی کے بیشتر مسائل ایسے ہیں جن میں اختلاف پایا جاتا ہے یا کم از کم اس کا امکان واحتمال رہتا ہے۔ اس لئے اس جزئیہ کا مناسب محمل یہ ہے کہ اس کو ایسی صورت پر حمل کرلیا جائے جہاں کسی عامی شخص کی دینی واخلاقی کیفیت ایسی ہو کہ اگر صحیح حکم اس کو بتایا جائے تو نہ صرف یہ کہ قبول نہیں کرے گا بلکہ الٹا ضد اور ہٹ دھرمی وغیرہ کی وجہ سے اصل اور ضروری عبادت ہی چھوڑ بیٹھے گا، ایسی صورت حال میں جمہور اہل علم کے نزدیک اس کو اصل حکم بتانا ضروری نہیں ہے بلکہ جب اندیشہ ہے کہ وہ اس کی وجہ سے اتفاقی حکم پر بھی عمل کرنا چھوڑ بیٹھے گا تو شاید خاموش رہنا ہی زیادہ بہتر اور پسندیدہ ہے۔

لہٰذا محض ان جیسی جزئیات کی بنیاد پر خلافِ مذہب نمازِ جمعہ کی اجازت یا ترغیب کسی طرح درست نہیں ہے، ورنہ تو اس جزئیہ کی وجہ سے گنجائش واجازت کا سلسلہ صرف جمعہ تک ہی محدود نہیں رہے گا بلکہ دیگر تمام اجتہادی مسائل بھی اس کی ضد میں آجائیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

بندہ عبید الرحمن عفی عنہ۔

دارالافتاء والارشاد، مردان۔

۳ربیع الاول ۱۴۴۶ھ